Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 2 No. 2 (2024)

An Existential Study of Tahir Nawaz's Novel "Sarrhy Teen"

طاہر نواز کے ناول ”ساڑھے تین“ کا وجودی مطالعہ

[1]Syed Muzaffar ud din, [2]Dr. Almas Khanum
[1]MPhil Scholar, [2]Associate Professor, Department of Urdu, Govt. College University, Lahore.
Correspondence Email: dr.almaskhanum@gcu.edu.pk

pISSN: 3007-2077
eISSN: 3007-2085

Received: 10-10-2024
Accepted: 24-12-2024
Online: 30-12-2024

This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license.

Copyright: © 2024 by the author(s).

Abstract

This article provides a comparative exploration of existentialist themes as elucidated by Soren Kierkegaard and Jean-Paul Sartre, focusing on individuality, subjective truth, freedom, and responsibility. Additionally, it delves into Tahir Nawaz's novel "Saarhy Teen," examining how the protagonist's existential crisis aligns with the tenets of existentialism. The analysis highlights the enduring influence of Kierkegaard and Sartre in shaping literary narratives, emphasizing the universal relevance of existentialist philosophy in capturing the intricacies of the human experience, as exemplified in Nawaz's contemporary work.

Keywords:
Tahir Nawaz, Novel, Sarrhy Teen, Existentialism

وجودیت عربی لفظ "وجود" سے ماخوذ ہے۔ جس کے لیے فرانسیسی میں Existence لاطینی میں Existentia جرمنی میں Existanz سنسکرت میں "استتو" اور فارسی میں "ہست" جیسے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ وجودیت عصر حاضر کی نمائندہ فکری تحریک ہے جس نے زندگی کے ہر شعبے کو متاثر کیا ہے۔ نفسیات، عمرانیات، اخلاقیات، ادب و فن پر اس فلسفے نے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ وجودیت بحران کا فلسفہ ہے اس کے موضوعات میں جنگوں کے دوران شکست وریخت، مغلوبیت، ظلم و تشدد، اذیت، اور موت، شامل ہیں۔ وجودی فلاسفہ مختلف گروہوں میں بٹ کر ان داخلی وارداتوں کو دہشت، بوریت، کراہت، امید، خوشی، غم، خوف، واہمہ، جرم، مایوسی وغیرہ کی صورت میں سامنے لاتے ہیں۔ قاضی جاوید لکھتے ہیں:

"وجودیت ہمارے عہد کا فکری مرقع ہے۔ اس عہد کی مخصوص بے چینی، کشیدگی، تشویش

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 2 No. 2 (2024)

اور کھچاو، ہولناک جنگوں، تباہ کن ہتھیاروں، شدید سماجی انقلابوں، اختیار پسند گروہ پرست اور فرد دشمن عقیدوں، اور روحانیت کے زوال کا نتیجہ ہے جس کا اظہار وجودیت میں ہوا ہے۔"(۱)

اس کے علاوہ جدید دور میں سائنسی زندگی اور مشینوں کی انسان پر فوقیت نے انسان کو تنہائی کا شکار کر دیا اور انسان کی قدر کہیں کھوگئی۔ انسان کرب میں مبتلا ہو گیا اور اس کی اپنے باطن سے جنگ چھڑ گئی۔ اس باطن کی کشمکش سے جس تحریک نے جنم لیا اس کو وجودیت کہتے ہیں۔ اور اس فلسفے کا سب سے اہم موضوع انسان اور اس کی آزادی ہے۔ جس کے بارے میں احسان اشرف لکھتے ہیں:

"وجودی فلسفے کا سب سے اہم موضوع انسان کی آزادی اس کا فیصلہ عمل اور زمہ داری ہے۔ اور انسان کی آزادی ہی اس کے ضطراب کا سب سے بڑا سبب ہے۔(۲)

وجودیت کے علمبرداروں میں سب سے پہلا نام سورین کرکیگارڈ کا آتا ہے جسے وجودیت کا بانی بھی کہا جاتا ہے۔ کرکیگارڈ فرد کی موجودگی کے حوالے سے کہتا ہے کہ ایک فرد جو کہ موجود ہے۔ اس کے لیے آزادی، انتخاب، جوش و جذبات اہم ہیں تاکہ وہ اپنا راستہ خود متعین کر سکے خواہ وہ راستہ کتنا ہی دشوار کیوں نہ ہو۔ اس کے خیال میں ایک فرد کو آزاد ہونا چاہیے۔ کرکیگارڈ فرد کے انفرادیت کا حامی ہے کیونکہ فرد اجتماعیت میں اپنی آزادی رائے اور انتخاب کو حاصل نہیں کر سکتا وہاں اسے بس تقلید کرنی پڑتی ہے۔ فرد کا انتخاب و فیصلہ اس کا ذاتی اور انفرادی ہے کوئی دوسرا اس کے لیے فیصلہ نہیں کر سکتا اپنے فیصلے صرف اور صرف وہ خود کر سکتا ہے۔ کرکیگارڈ عقل کے بجائے جذبات و احساسات کو اہمیت دیتا ہے اور اپنے فلسفے کی بنیاد ہیگل کی عقیات پرستی کی مخالفت پر رکھتا ہے۔ ہیگل سے اختلاف کرتے ہوئے وہ حقیقت کو موضوعی قرار دیتا ہے۔ کرکیگارڈ کا کہنا ہے کہ:

"حقیقت صرف موضوعی ہے اور موضوعی حقیقت جذباتی ہے، عقلی نہیں۔ خدا ایک حقیقت ہے لیکن یہ معروضی نہیں ہے اور وہ اپنے وجود کے لئے انسان کا محتاج ہے، کیونکہ انسان کے وجود کے بغیر خدا کا تصور ہو ہی نہیں سکتا۔"(۳)

کرکیگارڈ کا ماننا ہے کہ ہر فرد کے پاس اپنی صداقت ہے۔ اور فرد کوئی تکمیل شدہ شے نہیں ہے بلکہ وہ ہر وقت تکمیل کے مرحلے سے گزرتا ہے جس کے لیے وہ بجائے عقل کے جذبات کو رہبر بناتا ہے۔ اور اپنی آزادی انتخاب کا حق استعمال کرتا ہے۔

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 2 No. 2 (2024)

کرکیگارڈ نے اپنے فلسفے کی بنیاد انسان کی وجود اوراس کی خود مختاری پر رکھی ہے۔

کرکیگارڈ کے بعد وجودیت کا سب سے بڑا مفکر جاں پال سارتر ہے۔ جس کی وجہ سے ہی وجودیت کی زیادہ سے زیادہ تشریح ممکن ہو سکی ہے۔ان کی کتاب Being And Nothingness وجودیت پر ایک اہم اور مستند کتاب ہے۔ سارتر نے اپنے خیالات کے اظہار کے لیے ادب کا سہارا لیا اور اس کا سب سے بڑا موضوع ہی وجود Existence ہے۔ وہ خود کو باآواز بلند وجودی کہتا ہے۔ سارتر کا کہنا ہے کہ وجود کا مطلب صرف زندہ رہنا نہیں ہے زندہ تو نباتات اور حیوانات بھی ہیں وہ بھی وجود رکھتے ہیں۔ لیکن وہ اپنے زندہ ہونے کا شعور نہیں رکھتے یہ شعور صرف انسان رکھتا ہے۔ لہٰذا وجود رکھنے کا مطلب وجود کا شعور رکھنا ہے۔ سارتر لکھتا ہے:

> "انسان کچھ نہیں سوا اس کے کہ جو کچھ وہ اپنے آپ کو بناتا ہے۔ یہ وجودیت کا پہلا اصول ہے۔اس لیے لوگ ہم پر طنز کرنے کی خاطر وجودیت کو "داخلیت" کہتے ہیں حالانکہ اس اصول پر زور دینے سے ہماری مراد صرف یہ ہے کہ انسان کا رتبہ اینٹ یا پتھر سے کہیں زیادہ ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ انسان سب سے پہلے تو وجود رکھتا ہے۔اس کے وجود کو اولیت حاصل ہے۔ وجود ہی اسے مستقبل کی جانب دھکیلتا ہے۔اور وہ اپنے اس عمل سے آگاہ بھی ہوتا ہے۔"(۴)

ان کے علاوہ وجودیت کے دیگر دانشوروں میں نطشے، ہائیڈیگر، کارل جیسپر، مارسل، البرٹ کامیو، فرانز کافکا، گوئٹے اور کولن ولسن شامل ہیں۔ یہ تمام وجودی تھوڑے بہت اختلاف کے ساتھ انسان کی آزادی کے حامی ہیں۔ اس لیے ان کے نزدیک انسان کا وجود اس کے جوہر پر مقدم ہے۔

"ساڑھے تین" جو ۲۰۲۳ میں شائع ہوا طاہر نواز کا تیسرا ناول ہے۔اس سے پہلے ان کے دو ناول "شہر مرگ" اور "وارڈ نمبر ۴" منظر عام پر آچکے ہیں۔ان کے ناول مختصر اور دلچسپ ہوتے ہیں جیسے "ساڑھے تین" اس ناول کی کہانی بہت دلچسپ اور بھیانک ہے اس میں ایک طلسم ہے ہر قدم پر ایک خوف ہے جو پڑھتے ہوئے قاری محسوس کرتا ہے۔ ناول پر داستانوی رنگ ہے داستان کے ہیرو کی طرح اس کہانی کے مرکزی کردار کو بھی ہر وقت کوئی نہ کوئی مشکل درپیش رہتی ہے۔ یہ مشکل کبھی اس کے اپنے واہمے کی وجہ سے ہوتی ہے اور کبھی اردگرد کے حالات اور بستی کے لوگوں کی وجہ سے جہاں اس کی بطور پادری

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 2 No. 2 (2024)

تعیناتی ہوئی ہے۔ناول کا مرکزی کردار ایک پادری ہے جس کی تقرری ایک ایسی بستی میں ہوتی ہے جس کا اس سے پہلے اس نے نام بھی نہیں سنا تھا۔ایک بات جو اس ناول میں سب سے دلچسپ ہے وہ ہے "ساڑھے تین" ناول کے شروع سے لے کر آخر تک ہر واقعے کے ساتھ ہمیں ساڑھے تین کسی نہ کسی شکل میں نظر آتا رہتا ہے۔ساڑھے تین کیا ہے پادری کو آخر ہر بار ساڑھے تین ہی کیوں نظر آتا ہے جب بھی وہ وقت دیکھتا ہے تو اس کی گھڑی ساڑھے تین پہ رکی ہوتی ہے۔ بستی میں راستے پر لگے بورڈ پر بھی ساڑھے تین لکھا ہوتا ہے۔بستی کے چرچ میں آکر جب دیوار پہ لگی گھڑیال میں وقت دیکھتا تو وہ بھی ساڑھے تین کا وقت بجا رہا ہوتا ہے۔۔اس کے بعد جب بستی کے سب سے پہلے انسان سے اس کی ملاقات ہوتی ہے تو وہ بھی ساڑھے تین فٹ کا ہی ہوتا ہے۔آخر ساڑھے تین کیا ہے؟ اور اس کا پادری سے کیا تعلق ہے۔کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ ساڑھے تین محض ایک وقت ہے اور اس دوران پادری کے ساتھ کوئی ایسا واقعہ پیش آیا ہو جس سے اس کو اندرونی اذیت پہنچی ہو اور وہ اس واقعے کو بھلا نہ سکا ہو جو اس کے وجود کا حصہ بن گیا ہو۔اور ہر وقت الگ طریقوں سے اسے یاد آتا ہو پادری کا وقت ساڑھے تین پر رکا ہوا ہے۔پادری کے اندر ایک واہمہ ،ایک خوف ہے جو اسے ہر وقت کسی نہ کسی مشکل سے دوچار کرتا ہے۔اس کے بعد جب ہم بستی کا منظر دیکھتے ہیں تو یہ عجیب و غریب لوگوں کی بستی ہے جتنے اس بستی کے لوگ عجیب ہیں اس سے کہیں زیادہ یہ بستی عجیب ہے یہ ایک اجڑی ہوئی بستی ہے جنگ کی وجہ سے اس بستی کا بہت برا حال ہوا ہے۔مکانات ہیں لیکن ان کی دیواریں گری ہوئی ہیں ایسا لگتا ہے صدیوں سے اس بستی میں کوئی انسان نہیں رہا ہو گا۔اس بستی کے لوگ کوئی بات نہیں کرتے ہیں اور نہ ہی وہ کسی کی بات سنتے ہیں۔جب بھی وہ پادری کے سامنے آتے ہیں تو اپنی ایک خوفناک کہانی سنا کر غائب ہو جاتے ہیں۔ان کی یہ حالت اس جنگ کی وجہ سے ہوئی ہے جو اس بستی میں ہوئی تھی اس بستی کا ہر فرد اس جنگ کے خوف میں مبتلا ہے۔اس جنگ میں بستی کے لوگوں نے اپنے پیاروں کو کھویا ہے اپنے جوان بچوں کو کھویا ہے جو اب کبھی واپس نہیں آسکتے وہ ہر وقت ان کے انتظار میں رہتے ہیں اور جو بھی اس بستی میں نیا انسان آتا ہے ان کو اس میں اپنے بچے نظر آتے ہیں۔اور وہ اس بات کا اظہار پادری سے کرتے ہیں۔جب بھی کوئی بات کرتا تو صرف اتنا کہتا کہ جنگ نے ہم پر بہت ظلم کیے ہیں۔نہ جانے جنگ کی وجہ سے بستی کے کتنے لوگ مارے جاچکے تھے یہ جنگ کیوں ہوئی اس کا کچھ پتہ نہیں ہے لیکن اس جنگ کے اثرات اس بستی پر اور یہاں کے لوگوں پر بہت گہرے ہیں جو ہر وقت اس جنگ کے بارے میں سوچتے اور اس کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔بستی کا ہر بندہ پادری کو کوئی نہ کوئی کہانی سناتا ہے جو بہت خوفناک ہوتی ہے۔کوئی اپنے قتل

کی کہانی سناتا ہے اور غائب ہو جاتا ہے۔ ان لوگوں کی باتیں پادری کو ایک عجیب کشمکش میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ اس کو یہاں کے لوگوں سے خوف محسوس ہونے لگتا ہے۔ کبھی ایک عورت پادری کے سامنے آکر اپنی موت کی کہانی سناتی ہے اپنے اوپر ہونے والے مظالم کی داستان سناتی ہے تو کبھی کوئی مرد آکر اپنی موت کی داستان سنانے لگ جاتا ہے کہ اس پر کس قدر تشدد کر کے اس کی جان لی گئی ۔ تشدد کرنے والے کون تھے اس کی جان کیوں لی گئی اس کے بارے میں وہ کچھ نہیں بتاتا۔ اور کبھی کبھی تو اس بستی کی سڑک بھی مکالمہ کرنے لگتی ہے اور ان سب حالات اور مظالم کا ذکر پادری سے کرتی ہے جو اس بستی میں پیش آئے تھے۔ "اسٹوری آف اے گھوسٹ" کے نام سے اس ناول میں ایک الگ کہانی ہے یہ کہانی ایک خستہ حال کتاب میں ہے جو اس گاوں کا ایک فرد لا کے پادری کو دیتا ہے۔ یہ کہانی بستی میں میئر کی آمد سے شروع ہوتی ہے اور میئر کی پر اسرار موت پر ختم ہوتی ہے۔ اس کہانی میں اس بستی میں آنے والے طوفان کا ذکر ہے اس طوفان کے آنے سے اس بستی میں موجود گھروں کی چھتیں اڑ گئی تھیں اور اس طوفان میں بائیس لوگ مرے تھے۔ اس کہانی میں ایک اور طوفان کا ذکر ہے جسے مینڈک والا طوفان کہا گیا ہے۔ اس طوفان میں بستی کی تمام گلیاں مینڈکوں سے بھری ہوئی تھیں یہ اتنے زیادہ تھے کہ بستی کے لوگوں کا چلنا دشوار ہو گیا تھا ان کو مینڈکوں کے اوپر سے گزرنا پڑتا تھا۔ اور ایک حصے میں بلیوں کے رونے کا ذکر آتا ہے جس کی وجہ سے بستی کے لوگ بہت پریشان ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ بستی کے لوگوں کے لیے نیک شگون نہیں ہوتا اس لیے وہ سب بلیوں کو مار دیتے ہیں۔ اس کے بعد ناول میں ایک ایسے فرد کی کہانی آتی ہے جس کی دونوں ٹانگیں کٹی ہوئی ہیں۔ وہ پادری کو اپنے اوپر ہونے والے مظالم کی داستان سناتا ہے وہ پادری کو اس لڑکے کے قتل کا واقعہ سناتا ہے جو بالکل اس کے بیٹے کے جیسا تھا۔ اور پادری کو خبردار کرتا ہے کہ اس بستی کے لوگ اسے بھی مارنا چاہتے ہیں اس کو جلدی یہاں سے بھاگ جانا چاہیے۔ پادری خوف کے مارے اس بستی سے بھاگنے کی کوشش کرتا ہے تو لوگ اس کا پیچھا شروع کرتے ہیں۔ بھاگتے ہوئے پادری کا پاوں کسی چیز میں الجھ جاتا ہے اور وہ گر جاتا ہے اس کے سر سے خون نکل کر سڑک پر پھیل جاتا ہے۔ تب بستی ے ولوگ اسے اس کے چاروں طرف نظر آتے ہیں اور کہانی کا اختتام ہو جاتا ہے۔ اس ناول میں خوف، واہمہ، ظلم ، تشدد، جرم، موت، قتل، بے حسی، ہے جو اس ناول کے کرداروں میں پائی جاتی ہیں اور ان پر ہر وقت یہ حالتیں طاری رہتی ہیں ۔ اس ناول کے کرداروں میں ایک داخلی کشمکش نظر آتی ہے اور یہ کردار اس داخلی انتشار سے نکلنے کے مختلف راستے تلاش کرتے رہتے ہیں۔ ہر کردار کی اپنی کہانی ہے اور بہت ہی بھیانک کہانی ہے۔

"یکدم چمگادڑوں کے ایک غول نے ہم پر حملہ کر دیا۔۔۔ اپنے آپ کو ان سے بچانے کے

لیے سر کو گھٹنوں میں دے دیا۔۔۔اور کانوں کو ہاتوں سے چھپا لیا۔۔۔چمگادڑیں مجھ سے آکر
ٹکرا رہی تھیں۔۔۔ان کی عجیب و غریب آوازوں نے ماحول کو اور زیادہ خوفناک بنا دیا ہوا
تھا۔"(۵)

اقتباس پر غور کریں تو یہاں ہمیں پادری کا واہمہ اور اس کا خوف دونوں نظر آتے ہیں۔یہ محض اس کا واہمہ ہی تھا جس نے اس کو اس قدر خوفزدہ کر دیا تھا لیکن حقیقت میں ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔یہ صرف اس کا وہم تھا کہ چمگادڑوں نے ان پر حملہ کیا ہے یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کو چمگادڑوں سے شدید نفرت تھی جس کا اظہار اس نے کیا تھا کہ زندگی میں اسے جس چیز سے سب سے زیادہ نفرت ہے وہ چمگادڑ ہے۔یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کو چمگادڑ ہی نظر آئے کیونکہ جس چیز سے زیادہ نفرت ہوتی ہو وہ کسی نہ کسی صورت ہمارے سامنے آجاتی ہے۔

"انسان ارادوں کی تکمیل میں کتنا بے بس ہے"(۶)

اس جملے میں ہمیں پادری کی بے بسی نظر آتی ہے۔بستی میں آکے اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔اسے بھوک بھی لگی تھی وہ کھانا کھانے بستی جانا چاہتا تھا لیکن وہ فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ وہ جائے کہ نہ جائے کیونکہ جب اس نے باہر نکل کے دیکھا تو بارش ہو رہی تھی اور آہستہ آہستہ اندھیرا چھا رہا تھا۔پادری کو اس بستی میں ہر لمحہ خوف رہتا تھا کیونکہ یہاں کچھ بھی اس کی مرضی کے مطابق نہیں ہو رہا تھا۔جب سے وہ اس بستی میں آیا تھا کچھ بھی اچھا نہیں ہو رہا تھا جس کی وجہ سے اس کو پریشانی ہونے لگی تھی۔یہ بستی بہت خوفناک معلوم ہوتی تھی پادری کے ساتھ یہاں آنے کے بعد عجیب و غریب واقعات پیش آرہے تھے۔کبھی اندھیرے میں کوئی انسان نظر آتا جو تھوڑی دیر بعد غائب ہو جاتا اور کبھی اس کو کسی کا کٹا ہوا سر نظر آتا اور بستی کے لوگ اس سے بھی زیادہ خوفناک تھے وہ جب بھی پادری سے ملتے اس کو کسی پریشانی میں مبتلا کر دیتے۔

"جنگ میں بہت ظلم ہوئے ہیں ہم پر۔۔۔ہم نے اپنا سب کچھ کھو دیا تھا۔۔۔پر ہم خوش تھے کہ
ہم جنگ جیت گئے تھے۔۔۔پر اس جنگ کی قیمت ہم نے اپنے پیاروں کی زندگی کی صورت میں
ادا کی"(۷)

ناول میں سب سے زیادہ ذکر جنگ کا آیا ہے جس کے اثرات اس بستی کے لوگوں میں صاف نظر آتے ہیں۔بستی کا جو بھی فرد پادری سے ملتا ہے تو سب سے پہلے وہ جنگ کا ذکر کرتا ہے۔اس اقتباس میں ہمیں نظر آتا ہے کہ جنگ کے کتنے اثرات اس

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 2 No. 2 (2024)

بستی کے لوگوں پر پڑے ہیں۔ وہ اس بات سے خوش ہیں کہ وہ جنگ جیت چکے ہیں لیکن اس سے زیادہ ان کو دکھ ہے کہ جنگ نے ان سے ان کا سب کچھ چھین لیا ان کے پیارے ان سے جدا ہو گئے۔ جنگ نے اس بستی کے لوگوں کو ایک عجیب کرب میں مبتلا کیا ہے۔ وہ ہمیشہ اس جنگ کی تباہ کاریوں کا ذکر کرتے ہیں۔

"جنگ کا سب سے بڑا نقصان پتہ ہے کیا ہے ؟۔۔۔ جوان مر جاتے ہیں اور بوڑھے رہ جاتے ہیں۔"(۸)

اس بستی میں ہونے والی جنگ میں بستی والوں نے بہت کچھ کھویا تھا اور اس جنگ نے بستی کے لوگوں پر اس قدر گہرے اثرات چھوڑے تھے کہ ان اثرات سے نکلنا ان کے لیے ناممکن بن گیا تھا۔ وہ ہمیشہ ان لوگوں کی یاد میں رہتے تھے جو جنگوں میں مارے گئے تھے۔ اس جنگ میں بستی والوں کا بہت نقصان ہوا تھا اس جنگ نے ان کو ایک اندرونی کرب میں مبتلا کر دیا تھا جس کا وہ ذکر کر رہے تھے۔

"جنگ قیامت سے کم نہیں ہوتی۔۔۔ خوف، ہراس، وحشت، بے سروسامانی، بے یقینی اور موت۔۔۔ اور وہ قیامت تھی جو ہم پر گزر گئی"(۹)

واقعی جنگ قیامت سے کم نہیں ہوتی بلکہ جنگ قیامت کی ہی دوسری شکل ہوتی ہے۔ اور اس بستی میں ہونے والی جنگ بھی اس بستی والوں کے لیے کسی قیامت سے کم نہیں تھی۔ جس نے لوگوں کو خوف و دہشت میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ جنگیں ہی تھیں جن کی وجہ سے دنیا کی تہذیبیں تباہ ہو گئیں۔ دنیا میں ہونے والی جنگوں نے پتہ نہیں کتنے انسانوں کو قتل کیا ہے شاید ان اموات کا حساب لگانا ناممکن ہے۔ جنگ کی تباہ کاریوں کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر جمیل اختر محبی لکھتے ہیں:

"جنگ کی خوفناک تباہیوں نے زندگی کی حیوانیت، وحشی پن، بہیمیت، خود غرضی اور شطینیت کا ایسا پردہ فاش کیا کہ انسانیت اور آدمیت پر سے لوگوں کا اعتماد اٹھ گیا"(۱۰)

جنگوں کے بعد انسانوں کا ایک دوسرے سے اعتبار اٹھ گیا اب انسان نے ایک وحشی جانور کی شکل اختیار کر لی۔ اب انسانوں میں دوسرے انسانوں کے لیے ہمدردی نہیں رہی۔ جنگوں نے انسانوں کو ایک دوسرے سے بہت دور کر دیا۔ اب انسانوں کو ایک دوسرے سے خوف محسوس ہونے لگا ہے۔ ان جنگوں نے انسان کو انسان رہنے نہیں دیا۔

"اسے میں نے قتل کیا تھا۔۔ میں ہی اس کے لیے زہر کا پیالہ لائی تھی۔۔ ہائے افسوس۔۔ وہ

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 2 No. 2 (2024)

بالکل میرے بیٹے کے جیسا تھا اور میں نے ہی اسے قتل کر دیا"(۱۱)

اعتراف جرم اس ناول میں ہمیں نظر آتا ہے پادری کے سامنے ہر کوئی آ کے اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ اسے میں نے قتل کیا تھا۔وہ کون تھا پتہ نہیں لیکن اس بستی کے لوگ اس کو قتل کرنے کے بعد بہت پچھتا رہے تھے اسے قتل کیوں کیا تھا اس کے بارے میں بھی پتہ نہیں۔جو بھی اس قتل کے بارے میں بات کرتا تھا تو رونے لگ جاتا تھا۔اس بستی کے سارے لوگ اس کے قتل کے دعوے دار تھے ہر کسی نے اسے دھوکے سے قتل کیا تھا۔بستی کا ہر انسان اس قتل میں ملوث تھا

"ہاں وہ میرے بیٹے کے جیسا تھا۔۔۔اور میں نے اس قتل کر دیا"(۱۲)

جو بھی اس قتل کا دعوے دار تھا وہ یہ بھی کہتا تھا کہ جس کا اس نے قتل کیا ہے وہ اس کے بیٹے کے جیسا تھا۔لیکن اس نے پھر بھی اس کا قتل کر دیا اور اب اپنے جرم کا اعتراف کر رہا ہے۔ان سب حالات سے پادری بہت زیادہ پریشان تھا کہ یہ لوگ کس قتل کی بات کر رہے ہیں اور ان لوگوں نے یہ قتل کیوں کیا تھا اور یہ لوگ قتل کا خوفناک منظر پیش کر رہے تھے۔ان لوگوں نے اس قدر بے دردی سے کسی کا قتل کیا تھا وہ بھی اتنے سارے لوگوں نے کیا اس کا گناہ اتنا بڑا تھا اور اگر اس کا گناہ اتنا بڑا تھا تو یہ لوگ اب اپنے جرم کا اعتراف کر کے رو کیوں رہے تھے۔یہ عجیب لوگ ہیں پہلے کسی کا بے دردی سے قتل کرتے ہیں اور پھر اس کے غم میں ماتم کرتے ہیں۔

"بستی والوں کے لیے ایک اور مسئلہ بھی کھڑا ہو گیا تھا کہ ہر کچھ عرصے بعد لوگوں کی لاشیں
ملنا شروع ہو گئی تھیں اور قاتل کا نام و نشان تک نہیں تھا"(۱۳)

یہ کیسی بستی ہے جہاں انسانوں کی جانوں کی کوئی قیمت نہیں ہے ہر وقت کوئی نہ کوئی قتل ہوتا رہتا۔یہ کیسے لوگ ہیں جو ایک دوسرے کی جان لینے پر تلے ہوئے ہیں۔ہر طرف قتل،خوف،دہشت ہے۔اس بستی کے لوگ جو زندہ ہیں مردوں سے بھی بدتر ہیں جن کو کسی بھی چیز کی کوئی فکر نہیں ہے۔انسان کا صرف زندہ ہونا کافی نہیں ہوتا اس کے اندر احساس کا ہونا لازمی ہے ۔جب انسان کا احساس مر جائے تو وہ خود بھی مر جاتا ہے۔

"انہوں نے میرا لباس تار تار کر دیا تھا۔۔۔اس لمحے جب میں ان سے جان بچا کر بھاگ رہی
تھی تو میرے بدن پر لباس نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔۔"(۱۴)

ناول میں ایک عورت جو پادری کو اپنے اوپر ہونے والے تشدد اور اپنی موت کے بارے میں بتاتی ہے کہ کیسے لوگوں نے

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 2 No. 2 (2024)

اس پر تشدد کر کے اسے مار دیا۔ وہ اتنے ظالم لوگ تھے انھیں زرا بھی ترس نہیں آیا آخر ایک انسان کو دوسرے انسان پر ترس کیسے نہیں آسکتا۔ ان لوگوں نے اس عورت کو کس بے رحمی سے مارا اور وہ عورت کیسے روتے ہوئے یہ واقعہ بیان کر رہی تھی۔ یہ پادری کے ساتھ عجیب واقعہ ہوا تھا وہ عورت اس سے بات کر رہی تھی جس کی موت ہو چکی تھی اور اپنی موت کا واقعہ سنانے کے بعد وہ عورت غائب ہو جاتی ہے۔

"بے بسی کیا ہوتی ہے اس کا اندازہ مجھے اس دن ہوا تھا۔۔۔ انسان سب کچھ ہو لیکن بے بس نہ ہو"(۱۵)

وہ عورت ان لوگوں کے سامنے کس قدر بے بس تھی جو اسے قتل کرنے آئے تھے۔ نہ وہ بھاگ سکتی تھی اور نہ ان لوگوں کا مقابلہ کر سکتی تھی۔ اپنی اس بے بسی کا ذکر وہ پادری سے کر رہی تھی کیونکہ اس کو پادری کے علاوہ کوئی اور نہیں ملا تھا جس سے وہ اپنے ان دکھوں کا اظہار کر سکے کیونکہ اس کے والد کو بھی ان لوگوں نے مار دیا تھا۔ اس ناول کے کرداروں میں ایک وحشت ہے۔ ایک انسان کو دوسرے انسان سے بے تحاشا نفرت ہمیں اس ناول میں نظر آتی۔ اس ناول میں ہر پل ہر انسان کا وجود خطرے میں نظر آتا ہے۔ انسانی جانوں کی کسی کو کوئی پرواہ نہیں ہے ہر طرف قتل و غارت گری تشدد ہے۔

"ہمارے گھروں سے آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے اور یہ صرف شعلے ہی نہیں تھے بلکہ چیخ و پکار بھی تھی جو بلند ہوتی جا رہی تھی۔۔۔ ایک طرف خوف اور غم تھا جو مکینوں کو نڈھال کیے جا رہا تھا۔ (۱٦)

اس ناول میں ایک طرف انفرادی فرد کی موت کا خوف ہے تو دوسری طرف اجتماعی اموات کا خوف ہے۔ لوگ اپنے گھروں کے ساتھ جلائے جا رہے تھے ایک طرف لوگ جل رہے تھے تو دوسری طرف قہقہے بلند ہو رہے تھے۔ یہ کیسی بستی تھی کیا یہ انسانوں کی بستی تھی؟ کیا انسان اتنا ظالم بھی ہو سکتا ہے؟ کیسے بے حس انسان رہتے ہیں اس بستی میں جن کو زرا بھی ایک دوسرے کا احساس نہیں ہے۔ ایک کے بعد ایک کہانی جنم لیتی ہے اور ہر کہانی کا کرب پہلے سے زیادہ بھیانک محسوس ہوتا ہے۔

"درد کی شدت آہستہ آہستہ ختم ہوتی جاتی تھی۔۔۔ اب ہر ضرب پر مجھے درد کی وہ شدت محسوس نہیں ہوتی تھی جو پہلے پہل ہو رہی تھی"(۱۷)

عورت کے بعد مرد پادری کو اپنی کہانی سنا رہا تھا کہ اس کی موت کیسے ہوئی کیسے اس پر تشدد کر کے اسے مار دیا گیا تھا۔ کتنے

ظالم لوگ تھے جو اسے بے دردی سے مار رہے تھے ان لوگوں کو اس پر ذرا بھی ترس نہیں آیا۔اس پر وہ لوگ اتنا تشدد کرتے ہیں کہ اب اسے درد کی شدت محسوس نہیں ہوتی۔

"کوئی تو ہو جو اسے بچا لے۔۔۔لیکن وہ کوئی کون ہو؟۔۔۔کم سے کم وہ سڑک نہیں ہو سکتی۔۔"(۱۸)

اب انسان کو بچانے والا کوئی نہیں آئے گا اسے خود اس تکلیف اور اس کرب سے نکلنا پڑے گا اسے خود اس کشمکش سے نکلنے کا کوئی راستہ ڈھونڈنا پڑے گا کیونکہ اب وہ اکیلا پڑ گیا ہے اس جہاں میں کوئی اس کی مدد کرنے والا نہیں ہے۔ سڑک پادری سے مکالمہ کرتے ہوئے یہ ساری باتیں کرتی ہے۔وہ پادری کو بتاتی ہے کہ انسان کس قدر بے حس ہو گئے ہیں ان کے پاس ایک دوسرے کو پناہ دینے کے لیے جگہ نہیں ہے۔وہ ایک دوسرے سے بیزار ہو چکے ہیں۔ان میں ایک دوسرے لیے کوئی محبت کوئی احساس باقی نہیں رہا۔اب انسان صرف مرنے کے بعد ایک دوسرے کی قدر کرتے ہیں۔اپنے پیاروں کے نام پر یادگاریں بناتے ہیں لیکن جب زندہ ہوتے ہیں تو ایک دوسرے سے بات کرنا پسند نہیں کرتے ہیں۔انسانی زندگی کا بحران، اذیت، کرب، کوف، واہمہ، یہ جدید انسان کا سب سے بڑا المیہ ہے جس نے انسان کے وجود کو خطرات سے دوچار کر دیا ہے اور یہی اس ناول کا بنیادی موضوع ہے۔ طاہر نواز نے کمال مہارت سے وجودیت کے فلسفے کو ناول میں سمویا ہے اور انسان کے وجود کو لاحق خطرات کی نشاندہی کی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ قاضی جاوید، وجودیت دور حاضر کی ایک نمائندہ فکری تحریک، لاہور: میری لائبریری، ۱۹۷۳، ص، ۱۱
۲۔احسان اشرف، پروفیسر، وجودیت کا فلسفہ، پٹنہ: نیو کوالٹی آفسیٹ، ۲۰۱۰، ص، ۱۰
۳۔۔اکبر لغاری، فلسفے کی مختصر تاریخ، (ترجمہ) شاہد حنائی، فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۳، ص، ۱۷۱
۴۔ژاں پال سارتر، وجودیت اور انسان دوستی، (ترجمہ) قاضی جاوید، لاہور: مشعل، س۔ن، ص، ۱۸
۵۔طاہر نواز، ساڑھے تین، لاہور: فکشن ہاوس، ۲۰۲۳ ص، ۱۷
۶۔ایضاً: ص، ۱۴

۷۔ ایضاً: ص،۳۱

۸۔ ایضاً: ص،۱۵۰

۹۔ ایضاً: ص،۱۰۹

۱۰۔ جمیل اختر محبی،ڈاکٹر،فلسفہ وجودیت اور جدید اردو افسانہ، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس،۲۰۰۲، ص:۲۶

۱۱۔ طاہر نواز، ساڑھے تین، ص،۲۸

۱۲۔ ایضاً: ص،۳۳

۱۳۔ ایضاً: ص،۷۲

۱۴۔ ایضاً: ص،۷۴

۱۵۔ ایضاً: ص،۷۸

۱۶۔ ایضاً: ص،۸۴

۱۷۔ ایضاً: ص،۸۹

۱۸۔ ایضاً: ص،۹۴